اسلام اور عرب تہذیب؟

مریم جمیلہ ○

ایک سودا جس میں ہمارے تجدد پسند مبتلا ہیں، یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کو ہر ممکن طریقے سے باور کرانا چاہتے ہیں کہ 'اسلامی طرزِ حیات کا عرب تہذیب وثقافت، خصوصاً عربی زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے'۔ ان کے خیال میں 'قرآن کریم کی کلاسیکی عربی کی اشاعت اور عربی کا مسلمان ملکوں کی سرکاری زبان قرار دینا کسی اعتبار سے بھی اسلام کی غرض وغایت کی تکمیل میں معاون نہیں ہوسکتا'۔

مسلم معاشروں میں بعض حضرات تو اس سلسلے میں غلط طور پر خلط مبحث سے کام لیتے ہیں۔ انھیں یہ تسلیم کرنے میں تامّل ہے کہ نومسلم عربی ناموں کو اپنانا پسند کرتے ہیں۔ دلیل کے طور پر وہ قرآنِ کریم کے انگریزی مترجم محمد مارماڈیوک پکتھال (۱۸۷۵ء-۱۹۳۶ء) ایسے مشہور نومسلموں کا نام لیتے ہیں اور بڑے اصرار کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ ایک مخلص مسلمان تھے، اس کے باوجود انھوں نے اپنا انگریزی نام برقرار رکھا اور صرف 'محمد' کا اضافہ کیا۔ مارماڈیوک پکتھال کے مخلص اور سچے مسلمان ہونے میں کسے شک ہوسکتا ہے؟ قطع نظر اس کے کہ انھوں نے اپنے لیے کون سا نام پسند کیا، دنیائے مغرب میں ان کی اسلامی خدمات پر شاذ ہی حرف گیری کی جاسکتی ہے۔ تاہم، یہاں سوال جائز اور مباح کا نہیں مرجح اور مستحسن کا ہے۔

اگرچہ شریعت کی رُو سے غیر عربی نام برقرار رکھا جاسکتا ہے لیکن مستحسن یہ ہے کہ نومسلم اپنا پورا نام مسلمانوں کا سا رکھے اور کوئی ایسا نشان باقی نہ رہنے دے، جس سے اس کی سابقہ غیر اسلامی زندگی کا پتا چلتا ہو۔ ٹھیک یہی بات لباس کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔ مغربی لباس اگر معقول اور شائستہ ہو تو ایسی پوشش سے اسلام کی کسی تعلیم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ بے شک وہ جواز کی حد تک قابلِ قبول ہے لیکن کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت اور اتباعِ سنت کی خاطر یہ زیادہ مستحسن نہ ہوگا کہ ہم حتی الوسع وہ لباس زیب تن کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا؟

○ ممتاز نومسلمہ اسکالر [م: ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء]، ترجمہ: آباد شاہ پوری

جب ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث میں مسلمانوں کو غیرمسلموں کے طور اطوار اور لباس کی نقالی نہ کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے تو اس عمل کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سنت کو سراہا اور اس کے اتباع کی ہدایت فرمائی ہے اور یہ سنت چھوٹے چھوٹے امور پر بھی حاوی ہے، مثلاً ایک طباق میں بہت سے لوگوں کا مل کر کھانا، فرش پر بچھی ہوئی چٹائیوں اور بالوں کے کمبلوں پر بیٹھنا اور سونا، داڑھی رکھنا، جُبّے اور پگڑیاں پہننا اور عربی زبان بولنا ـــــ بے شک یہ اعمال نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کی طرح فرض نہیں ہیں۔ ان کا اہتمام نہ کرنے سے آدمی گناہ گار نہیں ہوتا، لیکن انھیں محض ساتویں صدی کے بدوؤں کے لیے موزوں قرار دے کر ان کی تحقیر کرنا اور جدید مغربی اطوار کو فوقیت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر و تضحیک کے مترادف ہے۔ پھر وہ شخص اپنے آپ کو ایک اچھا مسلمان کیسے سمجھ سکتا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو بوجھ کے طور پر دیکھتا ہے۔

تنقیح طلب امر یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کے عرب اجزاء کی اہمیت کو گھٹانے کی جو کوشش کر رہے ہیں، اس کا محرّک کیا ہے؟ یہی عرب خصوصیات اسلام کو امتیازی وجود اور تہذیب عطا کرتی ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس پر تجدّد پسند نہایت شدّ و مد سے اعتراض کرتے ہیں۔ تجدّد پسند تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو حتی الامکان زیادہ سے زیادہ تہس نہس کرلیں، مگر ایسے انداز سے کہ غافل مسلمان غضب ناک ہونے نہ پائیں۔ چنانچہ وہ اسلام کے بدن سے ہڈیوں تک گوشت نوچ لینے کی سعی میں مصروف ہیں، ان کا بس چلے تو ہڈیاں بھی نہ چھوڑیں۔ وہ اسلام کے ان تمام تصورات پر یلغار کر رہے ہیں جو اسے دوسرے مختلف نظام ہائے حیات سے الگ تہذیبی استقلال اور ٹھوس امتیازی خصوصیت عطا کرتے ہیں۔

ان مغرب زدہ نام نہاد مسلمانوں کا اصرار ہے کہ اسلام چند عمومی اصولوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اسلام روا داری، اخوت، خیر خواہی اور امنِ عالم کا نام ہے۔ فلاحی ریاست، لبرلزم، عقلیت پسندی، نظریۂ عملیت، انسان دوستی (Humanism) اور مادی ترقی ہی اسلام ہے۔ تجدّد پسندوں کا اسلام اتنا لچک دار اور لامحدود ہے کہ وہ کوئی بھی چیز بن سکتا ہے اور ہر سانچے میں ڈھل سکتا ہے۔ اور جب وہ کوئی بھی چیز بن سکتا ہے تو گویا کچھ بھی نہیں رہتا، چنانچہ ٹھیک یہی وہ مقصد ہے جس کے لیے تجدّد پسند جدوجہد کر رہے ہیں۔